ناآسودگی کا نوحہ! "میرواہ کی راتیں" کے تناظر میں

ظہیر عباس

Abstract:

Rafaqat Hayat is one of the representative novelists of the new generation.Picking up a pen on daring topics and doing justice is always no less than a challenge for a writer.In this novel,he has made sexual discomfort his basic theme. We have tried to delve deep into the characters and examine their psychological conflictions. Discomfort is one of the major problems in our society which ultimately leads to tragedy.In this article we have tried to explore the issues that cause tragedy and unhappiness.The psychological conflict of all the main characters is analyzed in detail in this article.This is the first novel in the world of Urdu literature is which this subject has been written boldly.The novelist skillfully did not let his studies get in the way of the art of novel.The novelist has worked hard on the three malevolent characters and has made the readers aware of their sexual suffocation.This novel is first step taken on this complex subject.

Keywords: Rafaqat Hayat, Novel, Frustration, World Literature

بہت کم ایسے ناول ہوتے ہیں جو ایک ہی نشست میں پڑھ لیے جاتے ہیں اور ان کا اثر تادیر ہمارے دماغوں پر قایم رہتا ہے۔ ناول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہ موضوعاتی اور تکنیکی ہم آہنگی کی عمدہ مثال ہوتا ہے۔ موضوع کی بذات خود اتنی اہمیت نہیں ہوتی جتنی اس کی پیشکش کی ہوتی ہے۔ بات کیا ہے سے زیادہ، بات کس ڈھنگ سے کی گئی ہے اس کا تاثر تادیر قائم رہتا ہے۔ بڑے ناول نگار کے پیش نظر بیک وقت

ناول کی دو سطحیں ہوتی ہیں۔ ایک ناول کے بنیادی لوازمات، کردار، منظر نگاری اور جزئیات نگاری پر انفرادی توجہ اور دوسرا ناول کے کلی نظام میں ان عناصر کی ضرورت واہمیت۔ ناول نگار، ہر کردار سے کوئی نہ کوئی ایسا کام لیتا ہے جو ناول کی معنویت میں اضافہ کرتا ہے۔ وہ اگر بازار میں مرکزی کردار کی آمد کا ذکر کرتا ہے تو جن راہ چلتے لوگوں کی طرف وہ دیکھتا ہے، وہ بظاہر غیر ضروری کردار بھی مرکزی کردار کی ذہن سازی میں اپنا حصہ ڈالتے ہیں۔ جس منظر کی طرف اس کا دھیان جاتا ہے وہ منظر بھی ناول کی بنت میں اپنا حصہ ڈالتا ہے۔ موضوع کا ناول کی ہیئت اور تکنیک سے جدا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ ناول کی قرات کے بعد قاری کو جو بات یاد رہتی ہے وہ ناول کا موضوع نہیں بلکہ وہ تکنیک ہوتی ہے جس کے ذریعے موضوع کو پیش کیا جاتا ہے۔ مارکیز کا عالمی شہرت یافتہ ناول "ایک پیش گفتہ موت کی روداد" کا موضوع ایک ایسی عورت کی کہانی ہے جسے سہاگ رات کو اس کا شوہر یہ کہہ کر گھر سے نکال دیتا ہے کہ وہ باکرہ نہیں ہے۔ وہ اس سے اس شخص کا نام پوچھتا ہے کہ وہ کون تھا۔ خوف کے عالم میں لڑکی کے منہ سے ایک نام نکلتا ہے۔ اس کے بعد یہ ناول ایک قتل کی کہانی بن جاتا ہے۔ ناول میں جو اضطراب اور ذہنی ونفسیاتی کشمکش ہے وہ تادیر قاری کو حیران اور ششدر رکھتی ہے۔

جنس انسانی زندگی کے بنیادی مظاہر میں سے ایک ہے۔ انسان چونکہ ادب کا مرکز ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے جنسی معاملات بھی ہمیشہ سے ادب کا موضوع رہے ہیں۔ مرد اور عورت کا تعلق اپنی نوعیت میں اتنا پیچیدہ ہے کہ ہر تخلیق کار اس کا کوئی ایک پہلو ہی موضوع بحث لا سکتا ہے۔ اس تعلق میں اتنی رنگا رنگی ہے کہ ہر کہانی نیا لطف دیتی ہے اور قاری کو ایک نئے تجربے سے روشناس کرواتی ہے۔ ہر فرد کی کہانی دوسرے سے بالکل جدا ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہر ناول نگار اپنے مشاہدے اور زندگی کے بارے میں اپنے تجربات کی روشنی میں کہانی بنتا ہے۔ انسانی تعلقات کی نوعیت کلچر، علاقائی صورت حال اور رہن سہن کے افتراق کے ساتھ تبدیل ہوتی ہے۔ کہانی جس طرح کے ماحول میں تخلیق ہو گی لامحالہ وہ ماحول کہانی میں در آئے گا۔ مغرب ناول نگاروں نے جنس جیسے شجر ممنوعہ موضوع پر اٹھارہوں اور انیسویں صدی میں ہی قلم اٹھالیا تھا۔ معاشرتی، سماجی اور مذہبی گھٹن کے خلاف باغیانہ روش انہوں نے اس وقت اپنالی تھی جب ابھی ہمارے ہاں مدرسوں اور مندروں میں اخلاقی درس وتدریس کا بازار گرم تھا۔ ہمارا سادہ لوح انسان سماجی اشرافیہ کی کارستانیوں سے یکسر ناواقف تھا۔ مذہبی اشرافیہ کے جنسی استحصال پر دیدرو کا ناول "راہبہ کی یادداشتیں" کلاسیک کے درجے پر فائز ہے۔ خود جنسی ناآسودگی پر، فلابیر، ایمائل زولا اور استاں دال کے ناول اپنی مثال

آپ ہیں۔ جنس کے موضوع اور پیچیدہ انسانی ذہنی اور نفسیاتی صورت کی منظر کشی جیسی فرانسیسیوں نے کی اس کی نظیر نہیں ملتی۔

ہمارے ہاں جنسی موضوعات پر لکھنے کا بیڑا منٹو نے اٹھایا اور معتوب ٹھہرا۔ غیر معمولی صورت حال میں انسان کے اندر سے چھپا ہوا بھیڑیا نکلتا ہے یا درندہ صفتوں کی انسانیت جاگ اٹھتی ہے۔ یہ ہمیں منٹو بتاتا ہے۔ منٹو کے علاوہ کسی افسانہ نگار کے ہاں ہمیں یہ جرات نظر نہیں آتی۔ بعض کہانیوں اور افسانوں میں اکا دکا اشارے ضرور ملتے ہیں لیکن مصنفین کا قلم کانپتا ہوا صاف دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے ہاں ایسے ادب کو فحش عام طور پر وہی قرار دیتے ہیں۔ جنھیں منٹو کی کہانیوں میں اپنا غلیظ باطن صاف دکھائی دیتا ہے۔ اردو ناول کا میدان ان موضوعات کے حوالے سے خالی ہے۔

چند ایک جزوی حوالوں کے سوا اس موضوع پر ہمیں رفاقت حیات کے ناول "میر واہ کی راتیں" کے علاوہ اردو ادب میں کوئی خاص ناول نظر نہیں آتا۔ رفاقت حیات کا تعلق کراچی سے ہے۔ "میر واہ کی راتیں" ان کا پہلا ناول ہے۔ اس سے پہلے "خواہ مخواہ کی زندگی" کے عنوان سے ان کا اک افسانوی مجموعہ بھی چھپ چکا ہے۔ ان دنوں وہ ایک اور ضخیم ناول پر کام کر رہے ہیں۔ نوجوان لکھنے والوں میں ان کے فکشن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ رفاقت حیات اس حوالے سے خوش قسمت ہیں کہ ان کا ناول دو ہزار سولہ (۲۰۱۶) میں شائع ہوا اور اس کا پہلا ایڈیشن ایک سال کے اندر فروخت ہو گیا۔

"میر واہ کی راتیں" جنسی موضوع پر بے باکی سے لکھا گیا بلاشبہ اردو کا پہلا ناول ہے۔ دوسرے درجے کے ناول نگاروں کی طرح اس ناول کے مصنف ہمیں خود اپنے مسائل حل کرتے ہوئے دکھائی نہیں دیتے۔ ناول کا موضوع نیا نہیں ہے نہ ہی تکنیک ایسی ہے کہ جس کے بارے میں کہا جائے کہ حیران کن ہے۔ ناول نگار نے جتنی بات کہنی تھی بطریق احسن کہہ لی ہے۔ نہ کم نہ زیادہ اور یہی اس ناول کی خوبصورتی ہے۔ ناول حقیقت پسند تکنیک پر لکھا گیا ہے۔ ویسے بھی اردو ناول کی دنیا میں ابھی ایسا ناول نگار نہیں پیدا ہوا جو نئی تکنیک دریافت کر سکے۔ کہانی سادہ اور رواں ہے۔ ناول نگار نے زبان کو غیر ضروری طور پر شاعرانہ بنانے کی کوشش نہیں کی۔ فکشن کی زبان کہانی، ماحول اور کردار کی ذہنی ساخت کے گرد بنی جاتی ہے۔ اس ناول میں مصنف نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے۔

کہانی تین کرداروں کے گرد گھومتی ہے۔ نذیر، اس کی چچی خیر النسا اور اس کی حادثاتی محبوبہ شمیم۔ رقابت، محبت، حسد، محرومی اور ناآسودگی جیسے جذبات ہر تثلیثی ناول کی کہانی میں زیریں سطح پر تو کبھی

براہ راست ٹھاٹھیں مارتے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس ناول میں بھی یہی کشمکش موجود ہے۔ گویا تعلق داری کی ایک تثلیث ہے جو ناول کے بیانیے کو باندھے رکھتی ہے۔ ناول کا آغاز نذیر کی بے چینی سے ہوتا ہے۔اس کی رات انگاروں پر لوٹتے گزرتی ہے۔ وقت جیسے تھما ہوا ہے۔ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ ناول کا بیانیہ اپنے آغاز سے ہی قاری میں تجسس کو بیدار کر دیتا ہے۔ رات بھر اسے نیند نہیں آتی۔ پچھلے پہر کہیں جا کر اس کی آنکھ لگتی ہے۔ صبح اسے جگانے والا کوئی اور نہیں بلکہ اس کی چاچی خیر النسا ہے۔ وہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اسے جگاتی ہے۔

> "وہ حیران تھا کہ آج صبح چاچی خیر النسا اسے پہلے سے زیادہ حسین اور پر کشش کیوں محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اپنے لمس کی وجہ سے وہ اس کے لیے یک دم حسین ہو گئی تھی۔ وہ عجیب ندامت میں لپٹی کھاٹ کے پاس کھڑی تھی۔ اس کا لباس شکن آلود تھا اور بال بکھرے ہوئے تھے۔ اس کے چہرے پر نیند کی سوگواری تھی۔ یکا یک اس نے اپنے سینے سے چادر ہٹائی اور اپنے دونوں ہاتھوں سے پھیلا کر اسے دوبارہ اپنے جسم پر تانا اور غسل خانے کی طرف چلی گئی۔"(1)

قاری یہاں مغالطے میں پڑ جاتا ہے اسے لگتا ہے کہ نذیر کے رات بھر جاگنے کی وجہ شاید اس کی چاچی ہے۔ لفظ چاچی یہاں جنسیت کی بھرپور علامت کے طور پر آیا ہے بالکل ویسے ہی جیسے نیر مسعود کے افسانے او جھل کی خالہ ہے۔ یہ عقدہ تو کہیں بہت بعد میں جا کے کھلتا ہے کہ نذیر چاچی کی طرف متوجہ چاچی کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک شادی شدہ عورت شمیم کی وجہ سے ہوتا ہے۔ چاچا غفور کی عمر ساٹھ سال ہے جو ہمہ وقت بیمار رہنے والا بوڑھا ہے جس کی عمر چاچی سے کوئی پچیس سال زیادہ ہے۔ بادی النظر میں قاری یہی سمجھتا ہے کہ نذیر براہ راست اسی کی طرف متوجہ ہے۔ وہ اسے بیدار کرنے کے بعد غسل خانے میں گھس جاتی ہے اور نذیر کے وجود میں نفسانی خواہش انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔ چاچی نہا کے نکلتی ہے تو یہ کہہ کر اسے بھی نہانے کو کہتی ہے۔ "اندر نلکے کا پانی کوسا کوسا ہے، اٹھ تو بھی نہا لے۔"(2) یہ جملہ امیج سازی کی عمدہ مثال ہے۔ چاچی کے ٹھنڈے جسم پر رینگتے پانی کے قطرے اسے واضح طور پر نہ صرف دکھائی دیتے ہیں بلکہ اس کے دل میں گدگدی بھی کرتے ہیں۔ نہا دھو کر، نماز پڑھ کے نذیر گھر واپس آ کے سیدھا باورچی خانے کی طرف جاتا ہے۔ باورچی خانے میں دھواں ہی دھواں ہے جو لکڑیوں کے گیلا ہونے کی وجہ ہے۔ معنوی لحاظ سے ان کے درمیان جھجک کی دیوار ہے جو دھوئیں کی صورت گھر میں پھیلی ہوئی ہے۔ خیر النسا گیلی لکڑی کی

صورت وہاں بیٹھی ہے۔ نذیر پھونکیں مار مار کر گیلی لکڑی کو دہکانے میں مصروف ہے۔ چاچا جب باورچی خانے میں آتا ہے تو خیر النسا کو طلسم ٹوٹتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس کی وہاں آمد پر ناگواری کا اظہار کرتی ہے تو وہ اسے کہتا ہے کہ "میں نے سوچا آگ کے پاس بیٹھوں گا تو سردی کم لگے گی، اس لیے یہاں آگیا"(3)۔ بظاہر وہ معنی خیز انداز سے یہ لفظ ادا کر کے اپنی بیوی کی طرف دیکھ کے مسکراتا ہے لیکن وہ اسے یکسر نظر انداز کر دیتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ یہ محض الفاظ ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ جنسی طور پر ٹھنڈا ہے اور رہے گا۔ نذیر اور خیر النسا کے درمیان وہاں بیٹھے ہوئے بظاہر روزمرہ کی بات چیت ہوتی ہے لیکن یہ متن کی معنویت کو بڑھاوا دیتی ہوئی گفتگو ہے۔ یہاں خیر النسا کی باطنی کیفیات کی خارج سے جڑت بہت بامعنی ہے۔ مزاج اچھا ہو تو اردگرد کی اشیا بھی بہتر معلوم ہوتی ہیں، افسردگی ہو تو ہر چیز افسردہ دکھائی دیتی ہے۔ ایک عمدہ ناول نگار کردار کی باطنی اور ذہنی صورت حال بیان کرتے ہوئے اس بات کا خاص خیال رکھتا ہے۔ یہاں بیانیے میں یہ بات عین منطقی انداز میں آئی ہے۔ مثال کے طور پر چچا غفور کی طبعیت کے حوالے سے بات ہوتی ہے تو خیر النسا خفیف بے پرواہی سے کہتی ہے کہ "میرا خیال ہے اسے سردی لگ گئی ہے"(4) یہاں سردی محض سردی نہیں بلکہ چاچے کے جنسی طور پر بے ضرر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ پھر اس کی بیماری کے حوالے سے خیر النسا کے لب و لہجے میں خاص طرح کی بے نیازی ہے۔ چاچا، نذیر کو سلائی کی دکان پر جانے کے لیے کہتا ہے تو وہ اس دوران چپ چاپ راکھ ہوتے چولہے اور بجھتے ہوئے انگاروں کو دیکھتی رہتی ہے۔ جنس حدت کی علامت ہے جو چاچے میں بجھ رہی ہے اور خود خیر النسا بھی اپنی ذات میں بجھتے ہوئے انگاروں کی صورت دیکھ رہی ہے۔ وہ جب نذیر سے کہتا ہے کہ "سلائی مشین پر تیرا ہاتھ صاف ہو گیا ہے۔ اب میری دکان تیرے حوالے"(5) یہ بات سن کر چاچی زیر لب مسکرا کر نذیر کی طرف دیکھ کر نچلا ہونٹ کاٹنے لگتی ہے۔ گویا سلائی مشین اور دکان خود خیر النسا ہو اور غفور اسے اپنے ہاتھوں سے بھتیجے کو سونپ رہا ہو۔ یہ جملہ سازی چاچی کی باطنی کیفیت کے عین مطابق ہے۔ قاری مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کے امکان پر ابھی سے سوچنا شروع کر دیتا ہے۔

کردار غیر شعوری طور پر اپنی باطنی کیفیت کا ربط خارج سے جوڑ کر اداس تو کبھی مسرت محسوس کر رہا ہے۔ پھر چاچے غفور کو موسیقی سے سخت نفرت ہے۔ گلی میں جب کوئی درزی اونچی آواز میں گانے لگاتا تو چاچا غفور اسے گالیاں دیتا اور موسیقی بند کروا کے ہی دم لیتا۔ آرٹ سے نفرت کرنے والا شخص قدرت کی سب سے خوبصورت شے عورت سے محبت کا حق ادا کر ہی نہیں سکتا۔ عورت کی ذہنی ساخت مرد نے

صدیوں کی محنت کر کے ایسی بنا دی ہے کہ وہ ہر صورت مرد کی خوشنودی کے لیے اپنی جان قربان کرنے کو بھی تیار رہتی ہے۔ خاص طور پر ہمارے جیسے معاشروں میں جہاں عورت کو ایک زندہ وجود سے زیادہ ایک شے کے طور پر لیا جاتا ہے۔ جس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی رضا کے مطابق زندگی بسر کرنے کی خواہش ہی نہیں رکھتی۔ اپنی اس راسخ ذہنی ساخت کی وجہ سے وہ اپنی اس محرومی کو نہ صرف قبول کرتی ہے بلکہ وہ اس پر مطمئن بھی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات اسے بہت کشٹ بھی کاٹنا پڑتا ہے لیکن اس کی زبان پر اف تک نہیں آتی کیونکہ اسے بتا دیا گیا ہے کہ وہ پیدا ہی اس لیے ہوئی ہے۔ کسی بھی شادی شدہ جوان عورت کے لیے جنسی جبلت پہ قابو رکھنا سب سے بڑا امتحان ہوتا ہے۔ اکثر وہ اس امتحان میں کامیاب بھی ہو جاتی ہے لیکن وہ اندرونی توڑ پھوڑ کا شکار ہونے کے باوجود اپنی زبان پہ کوئی گلہ نہیں لاتی۔ بعض اوقات اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے، وہ اپنی جنسی ضرورت کی تسکین کے لیے بے باک قدم اٹھا لیتی ہے۔ ایسی کہانیاں عالمی ادب کا مرغوب موضوع ہیں۔ ادب درحقیقت انہیں گوشوں کو وا کرتا ہے جن پر معاشرے میں بات کرنا اور پھر اسے قبول کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ خیر النسا بھی ایسے ہی کرداروں میں سے ایک ہے جسے یہ موقع میسر آجاتا ہے اور ڈرتے، جھجکتے اور شرماتے ہیں اس سے لطف اندوز ہوتی ہے۔ جنسی جبلت منہ زور گھوڑے کی طرح ہوتی ہے جس پر قابو پانا بعض اوقات بڑے بڑے پارساؤں کے لیے بھی ممکن نہیں ہوتا۔ چاچے غفورے کی بے رنگ شخصیت خیر النسا کی منہ زور جوانی کو ویسے ہی بے قابو کر دیتی ہے جیسے ڈی ایچ لارنس کے معروف ناول "لیڈی چیٹرز لیز لور" کی ہیروئین کو یا ایمائل زولا کی "ناناں" کو بے قرار کر دیتی ہے۔ گھر میں ہر وقت ایک نوجوان موجود ہو اور آپ کو یہ گمان ہو کہ آپ اس کی توجہ کا مرکز ہیں تو خود کو سنبھالنا آسان کام نہیں ہوتا۔

ان سارے واقعات کی بنت میں درحقیقت پینتالیس دن پہلے پیش آنے والے ایک غیر متوقع واقعے کا کردار ہے۔ نذیر کو چاچے نے پڈین شہر میں ایک ضروری کام کے لیے بھیجا تھا جہاں سفر میں اس کا سامنا ایک پردہ نشین شمیم سے ہو جاتا ہے۔ تاکا جھانکی کی عادت نذیر کو بچپن سے ہے۔ ہاں وہ کسی بھی عورت کی طرف سنجیدگی سے مائل نہیں ہوا یا کہہ سکتے ہیں کہ کبھی بات ایک حد سے آگے نہیں بڑھی۔ یہاں معاملہ بالکل الٹ ہو جاتا ہے۔ وہ برقعہ بردار عورت واقعی اس کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اس کا پیچھا کرتے ہوئے وہ اس کے گاؤں تک چلا جاتا ہے۔ اور بالآخر بہت تگ و دو کے بعد اس کے ساتھ راہ رسم بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ شمیم سے ملاقات کے لیے بہت جتن کرنے پڑتے ہیں۔ وہ ہمہ وقت

اس کے اعصاب پہ سوار رہتی ہے۔ایک ایسا نوجوان جسے اس کے گھر والوں نے اس کی بے راہ روی دور کرنے کے لیے گاؤں سے دور اسے اپنے چچا کے گھر بھیج دیا ہو، خود کو سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔اس واقعے سے پہلے کبھی اس کے دماغ میں خیر النسا سے تعلق بنانے کا خیال تک نہیں آیا جب وہ شمیم سے تعلق قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا تو چاچی جنسی طلب کے عملی روپ میں اس کے سامنے آجاتی ہے۔وہ آگ جسے شمیم نے فروزاں کر دیا ہے اس کے لیے وبال جان بن چکی ہے۔بقول ڈی ایچ لارنس "جہاں کہیں جنسی طلب کی آتش افزوں ہو گی، وہ اپنی طلب کا جواب پائے گی، کبھی سر گرمی اور کبھی تعلق کی گرمی کی صورت میں"۔(6) شمیم کے ساتھ وہ جنسی سر گرمی میں مشغول ہے جبکہ خیر النسا کی طرف وہ تعلق کی گرمی محسوس کرتا ہے۔محبت کی ایک تثلیث ضرور ہے لیکن اس تثلیث کا مرکزی کردار نذیر ہی اس سے واقف ہے۔دونوں نسوانی کردار اس سے مکمل طور پر بے خبر ہیں۔نذیر جن تجربات سے گزر رہا ہے وہ اس کے لیے بالکل نئے نہیں ہیں۔وہ اس سے پہلے بھی عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کر چکا ہے لیکن شمیم کے معاملے میں وہ پہلی بار محبت کے تجربے سے دوچار ہوتا ہے۔سو یہ تڑپ، شمیم سے ملنے کی منہ زور خواہش، ملاقات کی کوشش میں کیے گئے جتن اور پھر راتوں کی تادیر ان کی منصوبہ بندی، ہمہ وقت اسے بے چین رکھتے ہیں۔ایسے عالم میں اس کے واحد تسکین کی صورت اس کی چاچی ہے۔کیونکہ چاچی ہمہ وقت اس کی دسترس میں ہے۔وہ چاچی کی طرف سنجیدگی سے مائل نہیں ہے۔محض وقت گزاری کے لیے اس سے ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ یا نظر بازی کرتا ہے۔اس کا دھیان ہر وقت شمیم کی طرف ہی رہتا ہے۔جبکہ خیر النسا یہ سمجھتی ہے کہ وہ اس کی توجہ کا مرکز ہے۔وہ نذیر کے اس گھر میں آمد کے وقت سے ہی اس کے ساتھ وصل کی خواہش میں ہلکی آنچ پر سلگ رہی ہے۔جبکہ نذیر اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔وہ تو جب شمیم کی یاد میں راتوں کو تڑپتا ہے تو اپنی دل جوئی کے لیے چاچی کی طرف۔نذیر کا اس کی طرف متوجہ ہونا اسے مسحور کر دیتا ہے۔وہ یہی سمجھتی ہے کہ اس کی خواہش کی بھنک نذیر کو پڑ گئی ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔نذیر کسی دوسری عورت کے تصور میں ہے لیکن گھر میں موجود عورت اس کی جنسی بیداری کا محرک بن رہی ہے۔

وہ شعوری طور پر شمیم کے لیے سر گرداں ہے جبکہ اس کا لاشعور اسے خیر النسا کی طرف دھکیل رہا ہے۔خیر النسا آسان جبکہ شمیم مشکل شکار ہے۔وہ ہمہ وقت جنسی جبلت کے نرغے میں ہے جو روپ بدل بدل کے اس پر حملہ آور ہو رہی ہے۔" جنسی جبلت کی تیز روی، آوارہ خرامی، وفور اور اس کا تحکم جو انسان کے لاشعوری سفر سے بنیادی ربط رکھتا ہے، شعور کی رفتار کے مقابلے میں لاشعور کی رفتار کو کہیں زیادہ تیز اور

شوریدہ سر بنا دیتا ہے۔"(7) لمحہ بہ لمحہ اس کی شوریدہ سری بڑھتی جاتی ہے۔ شمیم سے ملاقات کرنے کے لیے اسے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ شمیم ہی کے محلے دار نورل یوگی جو کہ ایک پکوڑہ فروش ہے، سے رسم وراہ بڑھاتا ہے۔ یہ نورل یوگی وہی ہے جس کی بیوی اس روز شمیم کے ساتھ تھی جب اس نے پہلی بار شمیم کو دیکھا تھا۔۔ نذیر اندر سے خوفزدہ بھی ہے کہ کہیں شمیم اس سے ناراض ہی نہ ہو جائے کیونکہ اس کے سابقہ تجربات خوش آئند نہیں رہے تھے۔ ایک آدھ بار اس نے بے ڈھنگے طریقے سے ایک دو لڑکیوں سے اظہار محبت کی کوشش کی تھی جو اسے رد کر کے چلی گئی تھیں۔ سو اس مقصد کے لیے اسے نورل یوگی پر بہت خرچہ کرنا پڑتا ہے۔ نورل کی بیوی کے ذریعے وہ شمیم سے محض تین ملاقاتیں ہی کر پاتا ہے۔ ایک رات کے وقت کھیتوں میں، دوسری ایک عرس پر اور تیسری اور آخری اس کے گھر۔ تینوں ملاقاتیں اس کی ناآسودگی کو بڑھاوا دیتی ہیں۔ پہلی دو ملاقاتوں میں وہ محض بوس وکنار ہی کر پاتا ہے جبکہ تیسری ملاقات میں عین وصل کے دوران ایک بلی اس کی آن گرتی ہے جو اس کی ایستادگی کے انہدام کا سبب بنتی ہے۔ ایک طرف تو گاؤں کی ان پڑھ شمیم اسے اپنی توہین سمجھتی ہے اسے دھتکار کر ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے چلی جاتی ہے۔ دوسری طرف نذیر اس خفت سے خود کو نکال نہیں پاتا۔ اس کے دماغ میں دوبارہ اسے ملنے کا خیال تک نہیں آتا۔ بلی والا واقعہ نفسیاتی طور پر اسے مفلوج کر دیتا ہے۔

بہت تگ ودو اور محنت کے بعد کی جانے والی تین ادھوری ملاقاتیں نذیر کی بے قراری کو ناقابل برداشت حد تک بڑھا دیتی ہیں۔ تیسری ملاقات کے بعد وہ خودکشی کے بارے میں سنجیدگی سے سوچتا ہے۔ وہ جس جذبے کو خالص محبت سمجھ رہا تھا در حقیقت وہ ایک نفسیاتی گرہ تھی جو اس پر بلی گرتے ساتھ ہی کھل گئی۔ عورت جب جنسی جذبے سے مکمل طور پر مغلوب ہو جاتی ہے لیکن مرد اسے شادکام کرنے میں کسی وجہ سے ناکام ہوتا ہے تو وہ بپھر جاتی ہے۔ یہی کچھ نذیر کے ساتھ بھی ہوا۔ اس واقعے کے بعد کتنی ہی دیر تک اسے اپنے نامرد ہونے کا احساس ہوتا رہا۔ شمیم کے حصول کے لیے کی جانے والی محنت، راتوں کو اس کے ساتھ وصل کے لیے کی جانے والی منصوبہ بندیاں، شمیم کی خاطر ایسے ایسے لوگوں سے میل ملاپ جو کسی صورت اس کے مزاج کے مطابق نہیں تھے، نورل یوگی کے نخرے اٹھانا اور اس پر بہت خرچہ کرنا۔ ان لمحوں میں، شمیم سے ملاقات کی خاطر وہ ہر چیز فراموش کر بیٹھا تھا۔ اس کے لیے یہ سب کردار ماضی بعید کا حصہ بن چکے تھے۔ اب وہ صرف اس خفت آمیز صورت حال سے کسی طرح نکلنا چاہتا تھا۔ رات وہ بہت دیر کو گھر پہنچا اور خبر نہیں کب تک سوتا رہا۔

نذیر کے دل میں بہت سی باتیں تھیں جو وہ شمیم سے کرنا چاہتا تھا لیکن وہ اسے ایک ایسی غلطی کی سزا دیتی ہے جو اس سے ہوئی ہی نہیں۔ مرد کی نفسیات وہ مکمل طور پر سمجھنے سے قاصر رہی۔ یہی وہ لمحہ تھا جب وہ چاچی کے وجود میں پناہ لینے کے بارے میں سوچتا ہے۔ اگلی صبح جب اس کی آنکھ کھلتی ہے تو وہ چاچی کی آنکھوں میں براہ راست دیکھ کر غیر ارادی طور پر کہتا ہے کہ رات جب تو کمرے سے چلی گئی تو میں سو نہیں سکا۔ وہ چاچی جو اسے بہت رنگین اور بھری پری نظر آتی تھی آج اسے روکھی پھیکی لگ رہی تھی۔ لاشعوری طور پر وہ خود کو قوت مردمی سے محروم سمجھنے لگا تھا۔ اس کا یہ شک حقیقت میں بدلتا جا رہا تھا کہ وہ اب کبھی کسی سے وصل نہ کر پائے گا۔ اس افسردگی کے عالم میں وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ وہ چاچی سے وصل کر کے اپنی شکست کا مداوا کر سکتا ہے۔ اگلے کئی روز وہ اسی کشمکش میں رہا۔ ہمارے جیسے معاشروں میں جہاں جنسی تعلیم کو شجر ممنوعہ سمجھا جاتا ہے۔ ہمارے تعلیمی نظام میں جنسی تعلیم کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ نہ ہی ہمارے گھروں میں والدین کسی ان دیکھی جھجک کی وجہ سے اپنے بچوں بچیوں کو بلوغت اور جنیاتی تبدیلیوں کے بارے میں کچھ بتا پاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پیچیدہ قسم کے نفسیاتی مسائل کا شکار ہو جاتے ہیں۔ پھر جنسی تعلق میں شکست و فتح کا تصور بہت راسخ ہے۔ مرد خود کو غالب اور عورت کو مغلوب سمجھتا ہے۔ اس ایک معمولی سے واقعے کو ان پڑھ شمیم غیر فطری سمجھ کو اس کی قوت مردمی کو شک کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ دوسری طرف نذیر خود احساس کمتری کا شکار ہو کر مارا مارا پھرتا ہے۔ ہمارے ہاں یہ ٹیبوز اتنے راسخ ہیں کہ آج کی جدید دنیا میں ہم آج بھی وہیں کھڑے ہیں جہاں صدیوں پہلے تھے۔ مرد اور عورت کے درمیان جنسی معاملات میں مکالمہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شمیم اور نذیر اس واقعے کے بعد ایک دوسرے کی صورت نہیں دیکھنا چاہتے۔

نذیر بذات خود کوئی بہت بہادر انسان نہیں ہے۔ حادثاتی عشق اسے یہاں تک لے آتا ہے۔ ایک روایتی عاشق کی طرح وہ چاچی یا شمیم کے عشق میں آہیں نہیں بھرتا۔ اس کے دماغ میں ہمہ وقت ایک ہی بات چلتی ہے کہ کسی طرح شمیم سے ملا جائے۔ اس کا عشق مرحلہ وار آگے نہیں بڑھتا۔ خود متن میں اس کی دلیل موجود ہے۔ ان کا مکالمہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ بات اتنی ہی ہوتی ہے جتنی ملاقات ہوتی ہے۔ وہ معاشرے جہاں مرد عورت کا آزادنہ میل ملاپ ہوتا ہے وہاں یہ صورت نہیں ہوتی۔ تین ملاقاتوں میں کسی بھی شخص کے بارے میں کوئی رائے قائم نہیں کی جا سکتی۔ ممکن ہے اگر وہ مرحلہ وار یہاں تک آتے تو خفت کی یہ صورت نہ ہوتی۔ خود شمیم کی نفسیات اور ذہنی سطح سے قاری نابلد ہے۔ ناول کے بیانیے سے یہی بات

سمجھ میں آتی ہے کہ وہ کوئی پڑھی لکھی اور ذہین خاتون نہیں ہے۔ وہ بھی نذیر کی طرح محض اپنی ناآسودہ جنسی خواہش پورا کرنا چاہتی ہے۔ جب وہ پوری نہیں ہوتی تو بپھر جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے کی گھریلو خواتین کی طرح جن کا اپنے شوہروں کے ساتھ زندہ انسانی تعلق نہ ہونے کے برابر ہے۔ ان کے دل میں یہ خواہش مچلتی ہے کہ کوئی مرد ایسا ہو جو ان سے بطور انسان محبت کرے، ان کے ناز اٹھائے اور ان کے ساتھ برابری کی سطح پر آ کے مکالمہ کرے۔ خود خیر النسا کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے۔ ایسی عورت جب چوری چھپے کوئی تعلق بنا بھی لیتی ہے تو عام طور پر ناکام ہی ہوتی ہے۔ افراتفری اور خوف کے عالم میں صحت مند تعلق پروان نہیں چڑھتے لہذا مرد اور عورت کے درمیان ایک خلیج ہمیشہ حائل رہتی ہے۔ جس کی مثال شمیم اور نذیر کی صورت ہمارے سامنے ہے۔

شمیم کی طرف سے ناکام ہو کر وہ نفسیاتی طور پر بکھر چکا ہے۔ کئی روز اسے خود کو یہ سمجھانے میں لگ جاتے ہیں کہ وہ ایک مکمل مرد ہے۔ اس رات بلی والے حادثے کی وجہ سے وہ سب کچھ ہوا، جو از تلاشتے ،خود کو سمجھاتے ہوئے اس کا دماغ شل ہو گیا۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچ کر خود کو کافی حد تک مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

> "وہ اپنے آپ کو سمجھاتا رہا کہ اس کے ساتھ جو واقعہ پیش آچکا تھا وہ اس کے اناڑی پن کی وجہ سے پیش آیا تھا۔ اس نے پہلی اور بنیادی غلطی پکوڑا فروش کے ہمراہ مے خانے جا کر کی تھی۔ وہاں اس نے چرس اور بھنگ کا بے محابا استعمال کیا تھا، جس کی وجہ سے اس کے حواس خمسہ کند ہو گئے تھے۔ پھر شدید سردی کے موسم میں آدھی رات کو چوری گھر سے نکلنا، ویران اور تاریک گلیوں میں خوفزدہ چلنا، آہٹوں پر چونکنا اور کھیتوں کے پاس کانپتے ہوئے انتظار کرنا یہ تمام چیزیں بھی تو اس افسوسناک عمل کی رونمائی میں شامل تھیں۔"(8)

وہ جو شروع کے دنوں سے ہی چاچی کے جسم کے زیر و بم اور اس کی دھڑکنوں کی مدھم آواز سنتا رہا ہے مکمل طور پر خود کو اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ ایک بے یار و مددگار نوجوان کے لیے آخری پناہ اس کی چاچی ثابت ہوتی ہے۔ نذیر جو پہلے ہی دو دنیاؤں میں معلق تھا اب اس کے پاس خیر النسا کی طرف پیش قدمی کا معقول بہانا ہے۔ نذیر ایک ایسا کردار ہے جو محبت کے دو تجربات کو بیک وقت جی رہا ہے۔ شمیم کی محبت کی نظریاتی صورت ہے جبکہ خیر النسا عملی۔ وہ سوچتا شمیم کے بارے میں ہے لیکن دیکھتا خیر النسا کو ہے۔ چاچی

ایک روایتی ہندوستانی عورت ہے جس کا دل اس کے ساتھ وصل کو مچلتا ضرور ہے لیکن وہ پہل نہیں کر پاتی۔ہاں نذیر جو باتیں شمیم سے کرنے کے بارے میں سوچتا رہتا ہے وہ شعوری تو کبھی غیر شعوری طور پر چاچی سے کر جاتا ہے۔وہ ہار جو وہ شمیم کو دے آتا ہے اس کی خبر خیر النسا کو ہو جاتی ہے تو وہ اس سے استفسار کرتی ہے کہ تم نے وہ ہار کس لیے بنوایا تھا۔لمحہ بھر کو وہ ٹھٹھکتا ہے کیونکہ جانتا ہے کہ کوئی بھی عورت دوسری عورت کے ذکر پر بپھر جاتی ہے۔اس کے دماغ میں چاچی کی خوشبو بھی ظاہر ہے بسی ہے۔بے ساختہ اس کے منہ سے نکلتا ہے "میں نے۔۔۔وہ ہار۔۔تیرے لیے بنوایا تھا۔میں تجھے دینا چاہتا تھا۔مگر کل رات وہ میرے جیب سے کہیں گر گیا"اپنی جرأت اظہار پر وہ خود حیران تھا۔"(9) یہ حیرانی در حقیقت لاشعور کی شوریدہ سری ہے۔یہ در حقیقت جرأت اظہار سے زیادہ ایک منہ زور متبادل خواہش تھی جو اس کے لاشعور میں پل رہی تھی۔کئی دنوں سے وہ جو متضاد قسم کی ذہنی کیفیات میں معلق تھا آج اسے بے ساختہ اظہار کی راہ مل گئی۔تانک بھانک اور ذو معنی باتوں نے اب باقاعدہ اظہار کا راستہ اختیار کر لیا تھا۔

معاشرتی اقدار کو چیلنج کرتے ایسے تعلقات تادیر چھپے نہیں رہتے۔جس سنار سے وہ ہار بنوا کے لے جاتا ہے وہ چاچے کو بتا دیتا ہے۔یوں پہلی بار اس کے دماغ میں شک کا کیڑا رینگ جاتا ہے۔پھر یعقوب کاریگر نذیر کو چاچے کے ارادوں سے باخبر کر دیتا ہے۔وہ اسے بتاتا ہے کہ اس کا روز دکان سے غیر حاضر رہنا اور ہر بار کوئی بہانہ بنا کر گھر میں پڑے رہنا اس کے شک کو اور تقویت دیتا ہے۔اسے یہی لگتا ہے کہ اس کی بیوی اور بھتیجے کے درمیان کوئی چکر ضرور ہے۔یہ خیال اس کے دماغ میں اس ہار کی وجہ سے آتا ہے۔حالانکہ وہ ہار خیر النسا کے لیے تھا ہی نہیں۔ایک روز وہ اسے سختی سے دکان پر آنے کو کہہ کر خود چلا جاتا ہے۔نذیر گھر سر نکلتا ہے تو اس کی ملاقات نورل سے ہو جاتی ہے جو اسے بتاتا ہے کہ شمیم اسے ملنے کو تیار ہے یوں ایک بار پھر وہ وصل کی ممکنہ سرشاری میں مگن دکان پہ جانا بھول جاتا ہے۔یہ عمل چاچے غفورے کو آپے باہر کر دیتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ بھتیجا جان بوجھ کے گھر رک گیا ہے۔چاچا دوکان سے آ کر نذیر کو زدوکوب کرتا ہے۔دوسری طرف نذیر سمجھتا ہے اس پر تشدد ہار کی وجہ سے کیا گیا ہے۔حالانکہ چاچا یہی سمجھ رہا ہے کہ بھتیجے اور اس کی بیوی کے درمیان کوئی چکر چل رہا ہے۔چاچے کی یہ حرکت لاشعوری طور پر خیر النسا کو نذیر کے اور قریب کر دیتی ہے۔سو جب وہ پوچھتی ہے کہ ہار کس کے لیے بنوایا تھا تو بے ساختہ اس کے منہ سے نکلتا ہے تیرے لیے۔یوں وہ سفر جو ابھی تک ہچکچاہٹ کی وادیوں میں سفر کر رہا تھا۔چاچے غفورے کی وجہ سے اختتام کو پہنچتا ہے۔وہ میکانکی طور پر چاچی سے کہتا ہے کہ وہ اس سے بہت محبت کرتا ہے اور وہ اسے چھوڑ کر کہیں نہیں

جائے گا۔ وہ اسے برملا کہتا ہے کہ "تو میرے چاچے کی بیوی ہے مگر میں تجھ سے پیار کرتا ہوں"۔(10) یہ بات کہہ کر وہ خود حیران رہ جاتا ہے کہ اس میں آخر اتنی جرأت کہاں سے آگئی۔ یوں اس رات شمیم سے ہونے والا ادھورا وصل وہ چاچی کے ساتھ پورا کرتا ہے۔ دونوں کردار اپنی ناآسودہ خواہش کو پہلی اور آخری بار عملی جامہ پہناتے ہیں۔ نذیر اسے نہیں بتاتا کہ یعقوب کاریگر نے اسے چاچے کے ارادوں سے باخبر کر دیا ہے۔ یہ بات خود چاچے کے لیے بقول یعقوب پریشان کن ہے کہ وہ اپنی بیوی کے لیے آسودگی کا باعث نہیں ہے۔ اگلی صبح نذیر بوجھل دل کے ساتھ گاؤں چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ یوں شمیم، خیر النسا اور نذیر تینوں کا تعلق ادھورا رہ جاتا ہے۔

یہ ناول درحقیقت چار کرداروں کی ناآسودگی کی کہانی ہے۔ چاچا عمر کے اس حصے میں ہے جہاں نوجوان بیوی سے صحت مند ازدواجی تعلق قائم رکھنا اس کے لیے ممکن نہیں ہے لیکن اس کے پاس اس کا کوئی حل نہیں۔ اسے اس بات کا ادراک بھی ہے لیکن وہ آنکھیں بند کیے رکھتا ہے۔ نذیر ایک حادثاتی محبت کی بھینٹ چڑھ جاتا ہے۔ وصل کے لیے اسے کئی پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں لیکن ہمیشہ ناکام ہوتا ہے۔ یہ ناکامی اس کی جھنجھلاہٹ اور محرومی میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ شمیم اپنے شوہر کے رویے سے نالاں ہے جو غیر عورتوں کی تاک میں رہتا ہے لیکن خود اس کی بیوی اکیلی سلگتی رہتی ہے۔ ایک روایتی مشرقی عورت کی طرح چوری چھپے وہ ایک تعلق قائم کرنے کی کوشش کرتی ہے لیکن ناکام ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے علاقے سے باہر کا ایک نوجوان کسی نعمت متروکہ سے کم نہیں لیکن دقت وہی ہے کہ ملاقات کہاں ہو۔ خوف کے عالم میں کی گئی ملاقاتوں کا انجام بھی کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔ چاچی اس بات سے بے خبر کہ نذیر کے دماغ میں کیا چل رہا ہے اس کے وصل سے شادکام ہوتی ہے۔ وہ یہ جانتی ہی نہیں کہ جس آگ کو لمحہ بھر کو نذیر سے بجھایا ہے اس کے چلے جانے کے بعد وہ اسے بھسم کر کے رکھ دے گی۔ نذیر کا چاچی کی طرف شمیم اور خود اپنی جنسی ناآسودگی اور ناکام وصل کی وجہ سے مائل ہونا اور پھر بدنامی اور چاچے کے خوف کی وجہ سے اس کا گھر چھوڑ کے چلے جانا۔ یوں یہ ناول تمام کرداروں کی ناآسودگی اور ناکامی پر ختم ہوتا ہے۔ ناول نگار نے بہت عمدگی سے ناول کی عمارت بنی ہے۔ لمحہ بھر کو احساس نہیں ہوتا کہ مصنف کرداروں کی آڑ میں خود اپنے نفسیاتی مسائل حل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کا رویہ آغاز سے انجام تک معروضی ہی رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ کردار ناول کی دنیا میں سوچنے اور عمل کرنے میں آزاد ہیں۔ کرداروں کی باطنی کیفیت کا تعلق اس نے نہایت چابکدستی سے خارج کے ساتھ جوڑا ہے یہ جدید اردو فکشن میں ایک نیا تجربہ ہے جو تادیر قاری کو اپنے سحر میں جکڑے

رکھتا ہے۔ فکشن کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ صفحہ قرطاس پر لکھی گئی کہانی سے پہلے ایک کہانی موجود ہوتی ہے جس کے اندر سے وہ کہانی جنم لیتی ہے جس کا قاری سے براہ راست رشتہ استوار ہوتا ہے۔ ناول جہاں مکمل ہوتا ہے تو وہاں سے ایک اور کہانی قاری کے دماغ میں جنم لیتی ہے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے۔ یہ ناول بھی قاری کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔ بلاشبہ اردو ناول کی دنیا میں یہ ایک بے باک اور عمدہ اضافہ ہے۔ کرداروں کی ناآسودگی کا نوحہ اور ان کی نفسیاتی و باطنی کشمکش قاری کو تو دیر اپنے حصار میں جکڑے رکھتی ہے۔

حواشی:

1۔ رفاقت حیات، آج 88، اجمل کمال، مدیر، آج کی کتابیں، کراچی، 2015، ص 165

2۔ ایضاً، ص 166

3۔ ایضاً، ص 169

4۔ ایضاً، ص 168

5۔ ایضاً، ص 176

6۔ کشور ناہید، مترجم، باقی ماندہ خواب، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، سنہ ندارد، ص 154

7۔ شمیم حنفی، جدیدیت کی فلسفیانہ اساس، قومی کونسل برائے فروغ اردو، نئی دہلی، 2005، ص 150

8۔ رفاقت حیات، آج 88، اجمل کمال، مدیر، آج کی کتابیں، کراچی، 2015، ص 272

9۔ ایضاً، ص 247

10۔ ایضاً، ص 278